بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر سورۃ البقرۃ: آیت204-207

فقیہ اور مدبر سیاست دان، امیر حزب التحریر، شیخ عطا بن خلیل ابو الرَشتہ کی کتاب تیسیر فی اصول التفسیر سے اقتباس:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِى الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِىْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ (204) وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى
الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗوَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ (205) وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ ۚ فَحَسْبُهٗ
جَهَنَّمُ ۚ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ (206) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۗوَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ (207) ﴾

"اور لوگوں میں بعض ایسا بھی ہے جس کی بات دنیا کی زندگی میں آپ کو بھلی معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنے دل کی باتوں پر اللہ کو گواہ کرتا ہے، حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے۔ اور جب پیٹھ پھیر کر جاتا ہے تو ملک میں فساد ڈالتا اور کھیتی اور مویشی کو برباد کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ اور جب اسے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر تو شیخی میں آکر اور بھی گناہ کرتا ہے، سو اس کے لیے دوزخ کافی ہے، اور البتہ وہ برا بچھونا ہے۔ جبکہ بعض ایسے ہیں جو اللہ کی رضاجوئی کے لیے اپنی جان بھی بیچ دیتے ہیں، اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔"

مذکورہ آیات کریمہ کا عطف گزشتہ آیات پر ہے، یعنی(فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ (200) وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ) (201) ترجمہ: "پھر بعض تو یہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں دے، اور اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں نیکی اور آخرت میں بھی نیکی دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔"

تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اِن آیات سے پہلے جب حج سے متعلقہ آیات ذکر فرمائیں اور یہ بیان فرمایا کہ حج کے مناسک ادا کرنے کے بعد لوگ دو صنفوں میں بٹ جاتے ہیں: ایک صنف وہ ہے جو اللہ سے صرف دنیا مانگتے ہیں، ایسے لوگوں کا آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں، جبکہ دوسری صنف وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے دنیا بھی مانگتے ہیں اور آخرت کا ثواب بھی طلب کرتے ہیں اور ایسا حج کے موقعہ پر ہوتا ہے، تو اَب مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں کہ صرف دنیا پر نظر رکھنے یا اس کے ساتھ آخرت کو مد نظر رکھنے کی صفت جس طرح حج کے موقع پر لوگوں میں پائی جاتی ہے، حج کے علاوہ میں بھی لوگوں میں پائی جاتی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے دونوں معطوفین (Appositions) (یعنی حج اور غیر حج میں لوگوں کی دو قسموں) کے درمیان ایک اور حکم کو ذکر کرکے جدائی (separation) کی ہے، اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں دو دنوں میں جلدی کرنے یا تین دن تک تاخیر کا ذکر کیا ہے۔ اور جب دو معطوفوں (Appositions) کے درمیان کسی اور چیز کا ذکر داخل کیا جائے تو عربی زبان کے فصحاء کے نزدیک اس سے مقصود اس چیز کو نمایاں کرنا ہوتا ہے۔ اور اس پر زور دینا پیشِ نظر ہوتا ہے، تاکہ لوگ اس کو غیر ضروری نہ سمجھیں۔ قرآن کریم میں یہاں ایسا کیا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جب سابقہ آیات کریمہ میں (فاذا قضیتم مناسککم) کو ذکر کیا جس کے معنی ہیں کہ "جب تم حج کے امور سرانجام دو۔" اور حج کے امور کی تکمیل عرفات سے مزدلفہ کی طرف چلے جانے کے بعد ہوتی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد تشریق کے کم از کم دو راتیں وجوبی طور پر گزارنے کی تاکید کی تاکہ لوگ یہ راتیں گزارنے کو غیر ضروری سمجھ کر فقط عرفات سے مزدلفہ آنے اور پھر قربانی کرنے پر اکتفا کرکے یہ راتیں گزارنا چھوڑ نہ دیں۔ اسی وجہ سے اوپر والی آیات میں دو معطوفوں کے درمیان مَبِیت یعنی شب باشی یا رات گزارنے کو ذکر کیا، اس طرح اس میں زیادہ تاکید پیدا کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سیاق میں لوگوں کی دو اور اصناف کا بھی ذکر کیا ہے:

1- ایک فریق وہ ہے کہ دنیوی زندگی کے بارے میں اس کی باتیں تمہیں بڑی اچھی لگتی ہیں، اسے بات کرنے کا سلیقہ آتا ہے، بناوٹی الفاظ کا استعمال کرسکتا ہے، خوداعتمادی کے ساتھ بات کرنے کی قدرت رکھتا ہے، میٹھی اور چکنی چپڑی باتیں کرکے اپنی شیریں زبانی کا گرویدہ بنالینے کے گُر جانتا ہے، اس کے ساتھ وہ اس بات پر اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہے کہ اس کا ظاہر و باطن یکساں ہیں، جبکہ اسی وقت ایسا شخص دشمنی میں کٹرپن کی انتہاؤں پر کھڑا ہوتا ہے، نور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں دن رات ایک کئے ہوتا ہے۔

یہ آدمی آپ لوگوں سے الگ ہو کر جب کہیں جاتا ہے تو اس کی دوڑ دھوپ زمین میں فساد پھیلانے کے لیے ہوتی ہے، یوں بڑے پیمانے پر فصلیں اور نسلیں تباہ کرتا جاتا ہے، اور نہایت سُرعت اور پھرتی سے انسانوں، حیوانوں اور ہر قسم کے جانداروں کے قتل کے اسباب تلاش کرتا پھرتا ہے۔

اگر آپ اسے دیکھ لیتے ہیں پھر اس کے کرتوتوں کو اس پر واضح کردیتے ہیں، اُسے اللہ کی یاد دلاتے اور ڈراتے ہیں، تو بجائے اس کے کہ وہ ظلم و تکبر اور اپنی بُری عادتوں سے باز آجائے، اس کی غیرت وحمیت جاگ جاتی ہے، اور اپنی بے راہ روی میں مزید بڑھتا چلا جاتا ہے۔ ایسے شخص کا انجام دوزخ ہے اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے۔

(فِى الْحَيَاةِ الدُّنْيَا) یعنی دنیا کے اُمور اور معاش کے اسباب میں، پس حیات سے مُراد اسبابِ حیات یعنی وسائلِ زندگی ہیں۔

(وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ) یعنی باطل کی حمایت میں سخت مخاصمت اور دُشمنی والا۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ اور اَلَدّ صفت ہے جیسے اَحْمَرُ کیونکہ اس کی جمع لُدّ ٌ اور اس کا مؤنث لَدَّاءُ آتا ہے۔ یہ اَفعَل التفضیل نہیں، کیونکہ افعل التفضیل اپنے بعض کی طرف مضاف ہو کر آتا ہے، مثلاً (زیدٌ افضلُ القومِ) "زید اپنی قوم میں سے سب سے اچھا ہے۔" اور چونکہ خِصام بمعنی خصومت کے ہے، اس لیے بھی یہ افعل التفضیل نہیں ہو سکتا کیونکہ آدمی اپنے کام کا بعض نہیں ہوتا کیونکہ اس صورت میں پھر اس کے معنی بنیں گے (وهو اَلَدّ الخِصامِ) کہ وہ خصومت میں سے زیادہ خصومت والا ہے، جو کہ غلط ہے۔ بعضوں نے الخصام کے لفظ کو خَصمٌ کی جمع قرار دیا ہے۔ ہماری ذکر کردہ توجیہ کی بنیاد پر اَلَدُّ الخِصامِ بمعنی اَلَدُّ الخُصُومةِ ہوگا۔ مگر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر اُسی معنی کو راجح قرار دیتی ہے جو ہم نے شروع میں ذکر کیا ہے، یعنی باطل کے حوالے سے سخت ترین مخاصمت والا، اور یہ کہ اَلَدُّ صفت ہے، افعل التفضیل نہیں، اس میں اس بات پر دلالتِ اشارہ موجود ہے کہ سخت مخاصمت مذموم ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ((اَبغضُ

الرِّجالِ اِلَى اللهِ الاَلَدُّ الخَصْمُ))(بخاری مسلم ترمذی)"اللہ کے ہاں تمام لوگوں میں مبغوض ترین آدمی وہ ہے جو مخاصمت میں سخت ترین ہو۔" یہ منافقین کی صفات میں سے ہے کیونکہ وہ دنیا سے بہت محبت کرنے کی وجہ سے اس کی خاطر لڑتے جھگڑتے بھی زیادہ ہیں۔

(وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ)یعنی فصلیں اور ہر ذی روح چیز۔ حرث کے معنی ہیں: کھیتی، اور نسل کے معنی ہیں: ہر ذی روح شے۔ کہتے ہیں نَسَلَ يَنسِلُ نُسُولاً بمعنی نکلنے کے۔ کیونکہ نسلیں بھی اپنے باپوں اور ماؤں کی پشتوں سے نکلتی ہیں۔

(اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ)عزت ذلت کا الٹ ہے مگر یہاں مجازی طور پر اس سے مُراد نخوت وغرور اور غیرت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شرم دلائی جانے اور ڈرانے کے باوجود گویا کوئی اس کو ناک سے پکڑ کر گناہوں کی طرف ہنکالے جاتا ہے یہ تکبر، ضد اور باطل پرستی میں بڑھے چلے جانے سے کنایہ ہے۔

(وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ ج)یہ اس شخص کے گناہ کے سنگین اور بڑا ہونے پر دلالت کرتا ہے جو کسی گناہ کے کام میں مبتلاء ہو اور آپ اس کو تقویٰ اختیار کرنے کا کہتے ہیں اس کو نصیحت کرتے ہیں مگر وہ اس کے باوجود اس گناہ سے بچتا نہیں، نصیحت قبول نہیں کرتا بلکہ وعظ ونصیحت سے بے چینی میں مبتلا ہوتا ہے۔

یہ آیات (وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰي مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَھُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ (204) وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ (205) وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ ج فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ج وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ(206))اَخنس بن شرِیق کے بارے میں نازل ہوئیں جو بنی زہرۃ کا حلیف تھا:"وہ نبی ﷺ کے پاس مدینہ آیا اور اپنا اسلام ظاہر کیا، نبی ﷺ کو اس کی یہ بات بہت پسند آئی اور یہ بھی کہا کہ میں صرف اسلام قبول کرنے کے ارادے سے آیا ہوں اور اللہ جانتا ہے کہ میں سچا ہوں۔ پھر جب وہ نبی ﷺ کے پاس سے نکل گیا تھوڑا آگے جا کر مسلمانوں کے کھیتوں اور گدھوں کے پاس سے اس کا گزر ہوا تو اس نے کھیتوں کو آگ لگا دی اور گدھوں کو مار ڈالا۔"(تفسیر الدر المنثور 2/572، تفسیر طبری 2/312)

یہ الفاظ عام ہیں یہ اخنس اور ہر اس آدمی کو شامل ہیں جس کے اندر یہ صفات موجود ہوں اور اس قسم کے تمام لوگ اس میں داخل ہیں۔

(فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ج وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ)مِہاد کے معنی بستر کے ہیں، یہ الفاظ پھبتی کسنے کے لیے اور مذاق اُڑانے کے لیے ہیں کیونکہ دوزخ تو شعلہ بار آتش ہے، بستر نہیں جسے لیٹنے یا سونے کے لیے بچھایا جائے۔

2–اور ایک فریق وہ ہے جو اپنے آپ کو فروخت کرنے والا ہے اور اپنی جان کو اللہ کی راہ میں صرف کر دینے والا ہے، اور اس میں صرف اللہ کی رضا مطمح نظر ہوتی ہے، چنانچہ یہ گروہ نعمتوں والی جنت میں داخل ہوگا، فریق اول کی طرح یہ دنیا کی چکروں میں نہیں پڑتا بلکہ اس گروہ کا آخری مقصد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضاجوئی اور خوشنودی ہوتی ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے آیت کا اختتام (وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ) سے کیا ہے۔ عباد سے مؤمنین مراد ہیں، تو اللہ جل جلالہ ان پر مہربان ہیں، ان سے محبت کرتے ہیں، اور ان کی رہنمائی اس طرف کرتے ہیں جہاں اس کی رضا ملے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ فردوسِ بریں میں اعلیٰ ترین درجات پالیتے ہیں۔

(يَّشْرِيْ نَفْسَهُ)'اپنی جان کو بیچ دیتا ہے'یعنی جہاد اور اسلام کی طرف دعوت میں اس کو لگا دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے طرز پر ہے: (ان اللہ اشتریٰ من المؤمنين انفسهم واموالهم بان لهم الجنة)

یہ آیت صحابی جلیل صہیب بن سنان رومی کے بارے میں نازل ہوئی تھی جیسا کہ ابنِ عباس اور انس بن مالک وغیرہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب وہ مکہ میں اسلام قبول کر چکے اور مدینہ ہجرت کرنا چاہا تو لوگوں نے انہیں ہجرت کرنے سے روکا سوائے اس شرط پر کہ وہ اپنا مال ساتھ نہ لے جائے۔ تو انہوں نے ایسا ہی کیا اور ان سے جان چھڑانے کے لیے انہیں اپنا سارا مال دے دیا اور جیسا کہ روایت میں ہے کہ جس جگہ وہ مال موجود تھا اس کا پتہ بھی بتایا۔ پھر ہجرت کی، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ الحرہ کی اطراف میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت کی ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ آپ کی بیع سود مند ہوئی، صہیبؓ نے کہا: اللہ آپ کو بھی تجارت میں نقصان سے بچائے، بات کیا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ آپ کے بارے میں یہ آیت (وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ)نازل ہوئی ہے، اور ہمیں یہ بات رسول اللہ ﷺ نے بتلائی۔

اور حارث بن ابی اسامہ نے اپنی مسند میں اور ابن ابی حاتم نے سعید بن مسیب سے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ: صہیبؓ نبی ﷺ کے پاس ہجرت کرنے نکلے تو قریش کے چند لوگوں نے ان کا پیچھا کیا، وہ اپنی سواری سے اترے اور اپنے ترکش سے تمام تیر نکال کر دکھائے اور کہا کہ اے قریش والو! تمہیں پتہ ہے کہ میں تم سب سے زیادہ تیر انداز مرد ہوں، خدا کی قسم تم مجھ تک اس وقت تک نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ میرے ترکش میں موجود سارے تیر ختم نہ ہو جائیں، تیر ختم ہونے کے بعد پھر میں اپنی تلوار سے اس وقت تک مارتا رہوں گا جب تک میری تلوار کا کوئی بھی حصہ میرے ہاتھوں میں باقی رہے۔ اب تمہاری مرضی، کرو جو کرنا چاہتے ہو۔ تم چاہتے ہو تو مکہ میں موجود اپنے مال کا پتہ بتا دیتا ہوں مگر میرا راستہ چھوڑ نا ہوگا۔ قریشیوں نے کہا ٹھیک ہے۔ جب نبی ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ابو یحیٰ آپ کی بیع نفع بخش رہی۔

پھر یہ آیت (وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ)نازل ہوئی۔ حاکم نے مستدرک میں اسی طرح کی حدیث سعید بن مسیب عن صہیب سے موصولاً روایت کی ہے۔

یہ آیت اگرچہ صہیب رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی مگر اس کے الفاظ عام ہیں یہ ہر اس شخص کے لیے بشارت ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے یا اسلام کی طرف دعوت دیتے ہوئے کلمۂ حق کا اظہار کرے اور جہاد میں یا دعوت کی راہ میں اُسے کوئی اذیت پہنچ جائے، اور اپنے آپ کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا میں کھپا دے، ایسے شخص کے لیے وہی بشارت اور خوشخبری ہے جو صہیب کو دی گئی تھی۔